© rasailojaraid.com

کم زور کے مسائل اسلام نے حل کئے ہیں

سید جلال الدین عمری

پروپیگنڈہ میں بڑی تاثیر ہے۔ اس سے ایسی فضا بن جاتی ہے کہ اس کے خلاف سوچنا مشکل ہوتا ہے۔ بولنا تو اور بھی مشکل ہے۔ لیکن پروپیگنڈہ سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔ کسی غلط بات کو صبح وشام دہرایا جائے تو بعض اوقات اچھے خاصے معقول اور سمجھ دار آدمی بھی دھوکا کھا جاتے ہیں اور اس کی صحت پر یقین کر بیٹھتے ہیں، لیکن اس سے کوئی غلط بات صحیح نہیں بن جاتی۔ غلط غلط ہی ہے، چاہے اس کے حق میں پوری دنیا چیخنے چلانے ہی کیوں نہ لگ جائے۔ صحیح اپنی جگہ صحیح ہے، چاہے اس کی تائید میں ایک آواز بھی نہ اٹھے۔ مذہب کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ پہلے بھی بڑے زور شور سے ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوتا رہتا ہے کہ وہ سرمایہ داروں کا ایجنٹ ہے، طاقت ور کا دوست اور حلیف ہے، کم زور کے استحصال اور اس کو غلام بنائے رکھنے کا ذریعہ ہے۔ مذہب ایک افیون ہے یا اسے مارفیا کا انجکشن کہیے جو کم زور کو اس لئے لگایا جاتا ہے، تاکہ اس کے جسم کا رہا سہا خون بھی اس طرح چوس لیا جائے کہ اس کو اس کا احساس تک نہ ہو۔ اور جو شخص پہلے ہی سے خوب تنومند اور طاقت ور ہے وہ اب کچھ اور موٹا تازہ اور فربہ ہو کر مزید خون آشامی کرتا پھرے۔

دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں۔ اسلام کو بھی ان ہی مذاہب میں سے ایک مذہب سمجھا جاتا ہے۔ یہاں جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات عرض کر دینی مناسب ہوگی۔ وہ یہ کہ اسلام عام معنی میں مذہب نہیں ہے بلکہ وہ ایک دین ہے جو پوری زندگی پر خدا کی حکومت چاہتا ہے۔ بہر حال غلطی یا شرارت سے مذہب پر اعتراض کیا جاتا ہے تو اسلام بھی بڑی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آسانی سے اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ یہاں ماضی سے بحث نہیں کم از کم اس وقت اصل ہدف اسلام ہی ہے۔ اگر ضمناً دوسرے مذاہب بھی اس کی زد میں آ جاتے ہیں تو اس میں پروپیگنڈہ کرنے والے کا کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اسلام کو خاص طور سے نشانہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ مذاہب میں اسلام ہی سب سے زیادہ جاندار اور طاقتور مذہب ہے۔ اپنے ماننے والوں پر اس کی گرفت جتنی مضبوط ہے اتنی کسی دوسرے مذہب کی نہیں ہے۔ اس کے اندر ایک نئے انقلاب کی جتنی قوت اور صلاحیت ہے وہ کسی دوسرے مذہب یا فلسفے میں نہیں ہے، اس لئے اسلام کو اگر کسی محاذ پر شکست دے دی جائے تو دوسرے مذاہب کے قدم آسانی سے اکھڑ جائیں گے۔

مذاہب عالم کے بارے میں لکھنے والے کی معلومات بہت محدود ہیں اس لئے اسے ان کی ترجمانی یا دفاع کا حق نہیں ہے، البتہ اسلام کے ایک ادنی طالب علم کی حیثیت سے وہ یہ عرض کرنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ مذکورہ بالا پروپیگنڈہ ایک الزام ہے۔ الزام تراشی کے لئے بھی کوئی نہ کوئی بنیاد تلاش کر لی جاتی ہے اور رائی کا پہاڑ بنا لیا جاتا ہے لیکن ڈھونڈنے سے بھی اس کی کوئی بنیاد اسلام میں نہیں ملتی۔ بے بنیاد الزام کا اسے شاہکار کہا جا سکتا ہے۔

اگر آپ اجازت دیں تو میں اسلام کو کم زور کا ایجنٹ نہیں بلکہ اس کا وکیل کہوں گا۔ وکیل کا لفظ کچھ بدنام سا ہو گیا ہے۔ وکیل ہر کل کی وکالت کو اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اسے اس سے بحث نہیں ہوتی کہ وہ صحیح بات کی وکالت کر رہا ہے یا غلط بات کی۔ بلکہ شاید کامیاب وکیل وہی سمجھا جاتا ہے جو جھوٹ کو سچ اور ظالم کو مظلوم ثابت کر دے اور غلط مقدمہ کی بھی اس طرح پیروی کرے کہ حق والا آہ و فغاں کرتے ہوئے اور حق مارنے والا مسرت اور خوشی کے شادیانے بجاتے ہوئے لوٹے۔ اسلام نے کم زور کی وکالت کی تو کسی غلط مقدمہ کی نہیں کی بلکہ ایک صحیح اور جائز کیس کی وکالت کی اور اس طرح کی کہ آج تک اس کے حق میں جو کچھ کہا جاتا ہے یا آئندہ کہا جا سکتا ہے سب اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہے۔

اسلام کمزور کا وکیل ہی نہیں اس کے حقوق کا محافظ اور نگہبان بھی ہے۔ کمزور کا دنیا میں کوئی حق نہیں تھا۔ وہ دوسروں کے رحم وکرم پر جیتا تھا۔ جیتا کیا تھا یہ سوچ کر زندگی کا ٹتا رہتا تھا کہ موت کے بعد چین کی نیند سو جائے گا۔ اس کے جسم و جان دونوں عذاب میں مبتلا تھے۔ اس پر جو بھی ظلم کیا جاتا دنیا کی کسی عدالت میں اس کی شنوائی نہیں تھی۔ اس کا وجود سب کی خدمت اور راحت کے لئے تھا لیکن خود اس کے لئے یہاں راحت کا کوئی سامان نہیں تھا۔ سماج میں اس کی حیثیت اس قدر گر گئی تھی کہ وہ اپنے وجود ہی پر شرم بلکہ نفرت اور گھن محسوس کرتا۔ یہ اس کا ماضی تھا۔ اس کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ہاں کمزور اور اس کے مسائل کا چرچا اس قدر بڑھ گیا ہے کہ خیال ہونے لگتا ہے کہ اب اس کے برے دن پھر جائیں گے اور اس کے دکھ درد کا مداوا ہوگا اور وہ ایک نئی اور تابناک زندگی کا آغاز کرے گا۔ لیکن یہ ابھی ایک خواب ہے۔ کمزور کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرنا، اس کی حمایت کا دم بھرنا، اس کے حقوق کے لئے نعرے لگانا، اس کی تائید میں خطبات اور مقالات پڑھنا، لکچر دینا اور وعظ کرنا آسان ہے۔ اس کے لئے کسی محنت، قربانی بلکہ سنجیدہ فیصلہ کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر کس و ناکس بلکہ ہر بوالہوس اس کا سہرا اپنے سر بندھوانا چاہتا ہے۔ بلکہ اس خدمتِ بابرکت کو کمزور کے دشمن بھی اس شان سے اور اتنے بلند بانگ دعووں کے ساتھ انجام دیتے ہیں کہ بے چارہ کمزور اپنی سادہ لوحی میں ان کو اپنا بہی خواہ اور ہمدرد سمجھنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے کمزور کے مسائل نہ حل ہوئے ہیں اور نہ حل ہوں گے۔ وہ معاشی، سیاسی، سماجی معاشرتی اور علمی و اخلاقی لحاظ سے جہاں وہ کل تھا آج بھی وہیں ہے اور آئندہ بھی وہیں رہے گا۔ اور اس کا استحصال کرنے اور لوٹنے والے بھیس بدل بدل کر نت نئے ناموں سے اور جدید سے جدید تر ہتھیاروں سے لیس ہو کر اسے لوٹتے اور استحصال کرتے رہیں گے۔

اسلام نے کمزور کو اس کے چھنے ہوئے حقوق دئے، اس پر ہونے والی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظلم و زیادتی کا خاتمہ کیا۔ اس کے اندر جرأت و ہمت اور استقلال پیدا کیا، اور اسے باعزت اور باوقار زندگی عطا کی۔ اسلام اس کے لئے ایک ابرِ رحمت تھا۔ اس سے اس کے تنِ مردہ میں جان آئی اور اس کی سوکھی کھیتی لہلہا اٹھی۔ اسے وہ سکون اور راحت ملی جس کا تصور بھی وہ آسانی سے نہیں کر پا رہا تھا۔

پیغمبر خوش حال اور حکمراں طبقے سے نہیں ہوتے

دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے پیغمبر آئے، ہر دور اور ہر زمانہ میں آئے۔ ان کا کردار بے داغ اور ان کی سیرت آئینہ کی طرح صاف اور شفاف تھی۔ ان کے اخلاق پر کسی نے کوئی داغ دھبہ نہیں دیکھا۔ ان کے جانی دشمنوں نے بھی ان کی رفعتِ اخلاق کا اعتراف کیا۔ ان کا تعلق شریف اور باعزت قبائل سے تھا اور وہ خود بھی پورے سماج میں شریف اور معزز سمجھے جاتے تھے۔ لیکن معاشی اور اقتصادی پہلو سے ان کی کوئی امتیازی حیثیت نہیں تھی۔ ان کا تعلق آسودہ حال اور عیش پسند گروہ سے نہ تھا وہ متوسط یا غریب طبقہ سے سمجھے جاتے تھے اور ان کی زندگی عیش و عشرت سے پاک ہوتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دین کی طرف بلایا تو عرب کے سرداروں نے کہا:

لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف: ۳۱)

یہ قرآن دونوں بستیوں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

حضرت موسیٰؑ کو دیکھ کر فرعون نے کہا:

فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝ (الزخرف)

(اگر یہ خدا کا رسول ہے تو) اسے سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے گئے یا اس کی اردلی میں فرشتوں کا دستہ کیوں نہیں آیا۔

پیغمبروں کا خطاب عام ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ کے جتنے پیغمبر اس دنیا میں آئے ہیں سب نے قرآن مجید کی رو سے اسلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کی دعوت دی، یہ دعوت بالکل عام ہوتی۔ وہ جس قوم میں آتے اس کے ہر فرد اور ہر طبقہ سے ان کا خطاب ہوتا۔ خوش حال افراد سے بھی بدحال لوگوں سے بھی، حکمرانوں سے بھی، زیردستوں اور محکوموں سے بھی۔ ان کی دعوت ہر طرح کے طبقاتی کشمکش سے پاک ہوتی۔ وہ کسی کے ساتھ نہ تعصب برتتے اور نہ بے جا حمایت کرتے۔ وہ سب کی ہدایت کے طالب ہوتے اور سب کو راہ راست پر دیکھنا چاہتے تھے۔

کمزور طبقات پیغمبروں کا ساتھ دیتے ہیں

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے ہر دور میں جن افراد کو اپنی طرف متوجہ کیا وہ معاشرہ کے کمزور افراد تھے اور جن طبقات نے ان کی آواز پر لبیک کہا وہ بھی معاشرہ کے کمزور طبقات تھے۔ جو لوگ عیش و عشرت کے دل دادہ اور آسائش و راحت کے مارے ہوئے تھے یا جن کے ہاتھ میں زمام اقتدار اور حکومت کی باگ ڈور تھی، انھوں نے بالعموم اس کی طرف رخ نہیں کیا بلکہ اس کی شدید مزاحمت اور بدترین مخالفت کی۔ اس سے وہ سعید روحیں مستثنیٰ ہیں جن سے دنیا کا کوئی بھی طبقہ خالی نہیں ہوتا۔ بلاشبہ انھوں نے ہر طرح کی زنجیریں توڑ دیں اور سب کچھ قربان کر کے اسلام کا ساتھ دیا۔ یہاں ایک عمومی رویہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ قرآن میں ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ۝ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝ (السبا: ۳۴-۳۵)

ہم نے جس بستی میں بھی اپنا کوئی ڈرانے والا بھیجا تو اس کے آسودہ حال لوگوں نے کہا کہ جو پیغام تم لائے ہو ہم اسے ماننے والے نہیں ہیں ہم تم سے زیادہ مال، اولاد رکھتے ہیں اور ہمیں ہرگز سزا نہیں دی جائے گی۔

ارباب اقتدار کے اس رویہ کے مختلف اسباب ہیں۔ ایک تو ان کا یہ غرور ہے کہ دنیا کی ساری سوجھ بوجھ ان ہی کو حاصل ہے۔ وہ خود کو عقل کل اور دوسروں کو بے وقوف اور نادان سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اپنی دانائی اور فہم و بصیرت اور دوسروں کی نادانی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کی دعوت دی، یہ دعوت بالکل عام ہوتی۔ وہ جس قوم میں آتے اس کے ہر فرد اور ہر طبقہ سے ان کا خطاب ہوتا۔ خوش حال افراد سے بھی بدحال لوگوں سے بھی، حکمرانوں سے بھی، زیردستوں اور محکوموں سے بھی۔ ان کی دعوت ہر طرح کے طبقاتی کشمکش سے پاک ہوتی۔ وہ کسی کے ساتھ نہ تعصب برتتے اور نہ بے جا حمایت کرتے۔ وہ سب کی ہدایت کے طالب ہوتے اور سب کو راہ راست پر دیکھنا چاہتے تھے۔

کمزور طبقات پیغمبروں کا ساتھ دیتے ہیں

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے ہر دور میں جن افراد کو اپنی طرف متوجہ کیا وہ معاشرہ کے کمزور افراد تھے اور جن طبقات نے ان کی آواز پر لبیک کہا وہ بھی معاشرہ کے کم زور طبقات تھے۔ جو لوگ عیش و عشرت کے دل دادہ اور آسائش و راحت کے مارے ہوئے تھے یا جن کے ہاتھ میں زمام اقتدار اور حکومت کی باگ ڈور تھی، انھوں نے بالعموم اس کی طرف رخ نہیں کیا بلکہ اس کی شدید مزاحمت اور بدترین مخالفت کی۔ اس سے وہ سعید روحیں مستثنیٰ ہیں جن سے دنیا کا کوئی بھی طبقہ خالی نہیں ہوتا۔ بلاشبہ انھوں نے ہر طرح کی زنجیریں توڑ دیں اور سب کچھ قربان کرکے اسلام کا ساتھ دیا۔ یہاں ایک عمومی رویہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ قرآن میں ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ۝ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝ (السبا: ۳۴-۳۵)	ہم نے جس بستی میں بھی اپنا کوئی ڈرانے والا بھیجا تو اس کے آسودہ حال لوگوں نے کہا کہ جو پیغام تم لائے ہو ہم اسے ماننے والے نہیں ہیں ہم تم سے زیادہ مال، اولاد رکھتے ہیں اور ہمیں ہرگز سزا نہیں دی جائے گی۔

ارباب اقتدار کے اس رویہ کے مختلف اسباب ہیں۔ ایک تو ان کا یہ غرور ہے کہ دنیا کی ساری سوجھ بوجھ ان ہی کو حاصل ہے۔ وہ خود کو عقل کل اور دوسروں کو بے وقوف اور نادان سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اپنی دانائی اور فہم و بصیرت اور دوسروں کی نادانی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَکٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُکُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰہُ خَیْرًا۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ (ھود: ۲۹-۳۱)

آتی ہو اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں۔ نہ یہ میرا دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں اور یہ بھی میں نہیں کہتا کہ جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں انہیں اللہ کسی بھلائی سے نہیں نوازیگا۔ اللہ انکے نفس کا حال خوب جانتا ہے۔ اگر میں ایسا کہوں تو ظالم ہوں گا۔

کمزوروں نے ہی آخری پیغمبر کا ساتھ دیا

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ بھی زیادہ تر کمزوروں ہی نے دیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ حضرت ابو سفیانؓ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ہرقل نے ان سے پوچھا:

فاشرف الناس یتبعونه ام ضعفائهم؟

قوم کے شرفاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر رہے ہیں یا اسکے ضعفاء اور کمزور؟

حضرت ابو سفیانؓ نے جواب دیا۔

بل ضعفاؤهم

قوم کے کمزور لوگ انکا ساتھ دے رہے ہیں

ہمارے ایک قدیم مورخ ابن اسحٰق نے زیادہ واضح الفاظ میں ابو سفیانؓ کا بیان نقل کیا ہے۔

تبعه منا الضعفاء والمساکین فاما ذو الانساب والشرف فما تبعه منهم احد ۱

ہم میں جو ضعیف اور مسکین ہیں وہ انکا ساتھ دے رہے ہیں باقی رہے حسب نسب اور عزت و شرف والے تو ان میں سے کوئی انکا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔

---

۱ فتح الباری ۱/۲۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ سن کر ہرقل نے جواب دیا۔

وهم اتباع الرسل [1] — رسولوں کی اتباع کرنے والے یہی کمزور ہوتے ہیں۔

علامہ ابن کثیرؒ جن کا مفسر اور مورخ دونوں حیثیتوں سے بڑا اونچا مقام ہے۔ فرماتے ہیں۔

کان غالب من اتبعه فی اول بعثته ضعفاء الناس من الرجال والنساء والاماء فلم یتبعه من الاشراف الا قلیل [2] — بعثت کے شروع میں زیادہ تر کمزور مردوں، عورتوں، غلاموں اور لونڈیوں نے آپ کا ساتھ دیا۔ اونچے لوگوں میں سے آپ پر ایمان لانے والے بہت تھوڑے تھے۔

قریش کے سرداروں اور سرمایہ داروں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین صحیح اور سچا ہے تو آن بے چارے ضعفاء اور مساکین کے حصہ میں کیسے چلا جائے گا اور ہم اس سے کس طرح بے بہرہ رہ جائیں گے؟ وہ سمجھتے تھے کہ دین دنیا کی بھلائی تو ہماری قسمت میں لکھی گئی ہے اور حکمت و دانائی ہمارے باپ دادا کی میراث ہے، اس لئے اگر اس دعوت میں خیر ہوتا تو نا ممکن تھا کہ ہم پیچھے رہ جاتے اور معاشرہ کے بدقسمت افراد آگے بڑھ کر اسے قبول کر لیتے۔ قرآن کے الفاظ میں:

لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَا اليه (الاحقاف: ۱۰) — اگر اس میں خیر ہوتا تو اس معاملہ میں یہ لوگ ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔

کبھی کہتے اگر خیر ان کے ساتھ ہے تو یہ فقر و فاقہ اور مصیبت میں کیوں گرفتار ہیں، کیوں ان کی حالت بہتر نہیں ہوتی۔ کیا ہماری موجودہ حیثیت اس بات کی شہادت نہیں دیتی کہ عقل و دانش ہمارے ساتھ ہے اور ہم حق پر ہیں۔ اور ان بے چاروں نے نادانی اور بے وقوفی کی راہ اختیار کر رکھی ہے۔ ارشاد ہے:

---

[1] بخاری، کتاب الوحی۔ [2] تفسیر ابن کثیر ۲/ ۱۵۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا (مریم: ۷۳)

جب ان کو ہماری بالکل واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے کون مال و منال کے لحاظ سے بہتر حالت میں ہے اور کس کی مجلس شاندار ہے۔

قریش کے سرداروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت خبابؓ، حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت زیدؓ جیسے غلاموں اور محکوموں کو دیکھا تو آپ سے کہا کہ یہ ہیں آپ کے ساتھی۔ کیا پوری قوم میں سے یہی آپ کو ملے، کیا انہیں پر اللہ کا احسان ہوا ہے؟ کیا اس سرمایہ سے آپ خوش اور مطمئن ہیں؟ اگر آپ ان کو ہٹا دیں تو ہم آپ کی بات سن سکتے ہیں اور غور کر سکتے ہیں، روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ایسا آپ کر کے دیکھ لیں کہ فی الواقع کیا نتیجہ نکلتا ہے[1] لیکن قرآن تو کمزوروں اور ضعیفوں کو سینے سے لگانے آیا تھا۔ اس نے حکم دیا۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن

جو لوگ اپنے رب کو رات دن پکارتے رہتے ہیں اور اس کی خوشنودی کی طلب میں لگے ہوئے انہیں اپنے سے دور نہ پھینکو ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بار تم پر نہیں ہے اور تمہارے حساب میں سے کسی چیز کا بار ان پر ہے۔ اس پر بھی اگر تم انہیں دور پھینکو گے تو ظالموں میں شمار ہو گے۔ دراصل ہم نے اس طرح ان لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمائش میں ڈالا ہے تاکہ وہ انہیں دیکھ کر

---

[1] ملاحظہ ہو، ابن کثیر ۲/- المنار ۷/۴۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بَيْنِنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ۔

(الانعام: ۵۲،۵۳)

کہیں کیا یہ ہیں وہ لوگ جن پر ہمارے درمیان اللہ کا فضل و کرم ہوا ہے۔ ہاں! کیا خدا اپنے شکر گزار بندوں کو ان سے زیادہ نہیں جانتا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔

(الکہف: ۲۸)

اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھو (انکی رفاقت اور معیت پر مطمئن رہو) جو اپنے رب کو اسکی رضا کی طلب میں صبح و شام پکارتے ہیں تمہاری آنکھیں حیات دنیا کی زیب و زینت کی تلاش میں ان سے ہٹنے نہ پائیں تم اس شخص کی بات نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے، جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

اس طرح سماج کے جو کمزور افراد اور طبقات اسلام کی طرف کھنچ کر آ رہے تھے اسلام ان کو عزت و احترام کے ساتھ آگے بڑھ کر لے رہا تھا۔ وہ ان کمزوروں اور مظلوموں کو ان جبابرۂ قریش کے مقابلہ میں عزت اور رفعت دے رہا تھا اور انہیں اپنا سرمایہ سمجھ رہا تھا جن کے سرحق و صداقت کے سامنے جھکنے کے لئے تیار نہیں تھے البتہ حق و صداقت کو اپنی ہوا وہوس کا تابع دیکھنا چاہ رہے تھے۔

اسلام نے کمزوروں کے مسائل حل کرنے کے لئے ہمہ جہتی اقدام کیا، اسی نے ان کے مسائل کا صحیح اور واضح تصور دیا۔ ان کی حقیقی کمزوریوں کی رعایت کی۔ ان کے اندر عزم و حوصلہ پیدا کیا، انہیں جد و جہد پر ابھارا، اس کے ساتھ معاشرہ کو ان کی خدمت کی ترغیب دی اور انہیں قانونی تحفظات عطا کئے۔ یہاں ان ہی پہلوؤں کی تھوڑی سی وضاحت کی جائے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمزور کے مسائل کا وسیع تصور

کمزور اور اس کے مسائل سے ہر طرف بحث جاری ہے اور انہیں حل کرنے کی تدبیریں اور کوششیں بھی برابر ہو رہی ہیں۔ لیکن یہ ساری کوششیں اس کے ایک معاشی مسئلہ کے گرد گھومتی ہیں۔ خیال یہ کیا جاتا ہے کہ کمزور کا مسئلہ صرف اس کا معاشی مسئلہ ہے۔ کوئی اور مسئلہ نہیں ہے۔ یا یہ کہ اصل مسئلہ معاشی مسئلہ ہے۔ باقی سارے مسائل اس کے تابع ہیں۔ یہ اگر حل ہو جائے تو اس کے تمام مسائل از خود حل ہو جائیں گے۔

لیکن یہ کمزور کے مسائل کا بلکہ کسی بھی انسان کے مسائل کا بہت محدود تصور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ معاشی مسئلہ کی بڑی اہمیت ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان نرا معاشی حیوان نہیں ہے کہ چارہ پانی پا کر آسودہ و مطمئن ہو جائے اور اس کی کمیت و کیفیت جتنی بہتر ہو اس کی آسودگی بڑھتی چلی جائے۔ غذا، لباس، مکان، تعلیم، دوا علاج کا تعلق براہِ راست معاش سے ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ یہی اس کے کل مسائل ہیں۔ یہ اگر حل ہو جائیں تو وہ ہر پہلو سے بالکل مستغنی اور بے نیاز ہو جائے گا اور کسی طرح کی مدد کی اسے حاجت نہ ہوگی۔ کمزور کی کمزوری ایک ہی طرح کی نہیں ہوتی۔ وہ معاشی، سیاسی، سماجی اور معاشرتی، علمی اور فکری، جسمانی اور مادی اخلاقی اور روحانی کسی طرح کی ہوتی اور ہو سکتی ہے۔ معاش سے انسان کے بعض مادی مسائل کا تعلق ہے۔ کل مسائل کا نہیں۔ معاشی حالت کے بہتر ہونے سے اس کے سارے مسائل حل نہیں ہو جاتے۔ جو شخص بھوکا، ننگا اور مالی مدد کا محتاج ہے یقیناً اس کا مسئلہ معاشی ہے۔ لیکن جو شخص مال و دولت رکھتے ہوئے بھی کسی ناقابلِ علاج بیماری میں گرفتار ہو اس کا مسئلہ معاشی نہیں نفسیاتی ہے۔ وہ روپیہ پیسہ نہیں روحانی سکون چاہتا ہے۔ دولت دنیا سے مالامال ہونے کے باوجود جس عورت کا اپنی بھرپور جوانی میں اچانک سہاگ لٹ جائے وہ معاشرہ میں تحفظ، عزت اور وقار چاہتی ہے۔ اسی طرح جس شخص کو دولت نے عیاشی اور آوارگی میں مبتلا کر دیا ہو اس کی کمزوری معاشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں اخلاق ہے۔ اسے کھانے کپڑے کی نہیں اصلاح و تربیت کی ضرورت ہے۔ اسلام کی نظر انسان کی ہر طرح کی کمزوریوں پر ہے اور وہ ان سب کا علاج کرتا ہے۔ وہ مسکینوں اور محتاجوں کی معاشی ضرورت پوری کرتا ہے، مزدوروں اور محکوموں کے مسائل حل کرتا ہے، بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرتا اور قرض داروں کی مدد کرتا ہے، عورتوں، بیواؤں اور یتیموں کی سرپرستی کرتا اور سماج میں انہیں اونچا مقام عطا کرتا ہے، بیماروں، معذوروں، ضعیفوں، مصیبت زدوں اور آفت کے مارے ہوؤں کے ساتھ ہمدردی کا رویہ اختیار کرتا اور ان کے دکھوں کا مداوا کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جس شخص کو جس طرح کی وقتی اور ہنگامی یا مستقل اور دیرپا، چھوٹی یا بڑی مادی یا اخلاقی مدد کی ضرورت ہو وہ فراہم کی جائے تاکہ کوئی بھی فرد کسی بھی مرحلہ میں خود کو بے یار و مددگار محسوس کرے اور معاشرہ میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکے۔

کمزور افراد اور طبقات دونوں کی مدد

آج پوری دنیا کمزور اور طاقت ور قوموں میں بٹ گئی ہے۔ جن قوموں کے پاس طاقت اور اقتدار ہے وہ کمزور قوموں کا ہر طرح استحصال کر رہی ہیں۔ پھر ہر قوم اور ملک میں کمزور اور طاقت ور طبقات دونوں ہی موجود ہیں۔ ان میں سے طاقت ور طبقات کمزور طبقات سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں اور انہیں ان کے بنیادی انسانی حقوق تک سے محروم کر رکھا ہے۔ یہ دونوں طبقات ایک دوسرے کے حریف بن چکے ہیں اور ان کے درمیان ملکی و قومی اور بعض اوقات بین الاقوامی سطح پر شدید کشمکش برپا ہے۔ ان کے مسائل بھی اب طبقاتی اور گروہی مسائل بن گئے ہیں۔ اسی حیثیت سے ان کے بارے میں سوچا بھی جاتا ہے۔ اس طرح مسئلہ کمزور افراد کا نہیں کمزور جماعتوں کا بن گیا ہے۔ لیکن اس طرح سوچنے میں دو اہم حقیقتوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ جن طبقات کو ہم آسودہ حال اور مطمئن سمجھتے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان میں بھی ایسے افراد ہوں جو ہماری ہمدردی کے محتاج ہوں۔ اسی طرح جن طبقات کو ہم کمزور سمجھتے ہیں ان میں ....

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی خوش حال افراد ہو سکتے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایسے افراد یقیناً ہوتے ہیں۔ اگر ہم طبقات کی اصطلاح میں سوچیں اور عمل کریں تو بسا اوقات کم زور افراد کی طرف ہماری توجہ نہیں ہوتی اور وہ اس تعاون سے محروم رہتے ہیں جس کے وہ مستحق ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ہمارے سامنے انسان کی صرف معاشی کم زوری ہی نہ ہو بلکہ کمزوری کا وسیع تصور ہو تو محسوس ہوگا کہ دنیا کا ہر آدمی دوسرے کی مدد کا محتاج ہے۔ چاہے کسی بھی طبقہ سے اس کا تعلق کیوں نہ ہو۔ مرض، رنج وغم، معذوری، ضعف، بڑھاپا اور جانی و مالی صدمات سے کون نہیں دوچار ہوتا اور ان سب صورتوں میں کون اخلاقی یا قانونی مدد کا محتاج نہیں ہوتا؟

اسلام کسی بھی قوم کے استحصال کو جائز نہیں سمجھتا۔ لیکن اس کے ساتھ وہ کم زور کو کم زوری کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ اور اسے جس وقت جس قسم کی مدد کی ضرورت ہو وہ فراہم کرتا ہے۔

کمزور کی کمزری کی رعایت

اسلام نے کم زور کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا ہے اس کا تعلق خود اس کی ذات سے بھی ہے۔ معاشرہ سے بھی ہے اور ریاست سے بھی۔

مذہب کے نام کے ساتھ پوجا پاٹ، ریاضت و مشقت اور رسم ورواج کی بندشوں اور صعوبتوں کا تصور ابھرنے لگتا ہے اور آدمی سوچ میں پڑجاتا ہے کہ مذہب اس کی اصلاح و تربیت اور اس کے دکھ درد کا علاج ہے یا تہذیبِ نفس اور روحانی کلفت کا سامان۔ اس کی جانِ ناتواں اور کم زور جسم دنیا کے بوجھ کے ساتھ مذہب کا بوجھ بھی اٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟ پھر وہ مایوسی کے بعد، کبھی اسے بدنصیبی سمجھ کر اور بیشتر حالات میں خوش بختی تصور کرکے مذہب کا جوا اتار کر رکھ دیتا ہے اور ہر بندش سے آزاد ہو کر دنیا کے جھمیلوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اگر مذہب کی بندشوں کو توڑنے کی ہمت نہ کرے تو دنیا کے چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام نے دین اور مذہب کے نام پر جو بے جا سختیاں تھی انہیں ختم کیا۔ قرآن مجید اپنے لانے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص وصف ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ (الاعراف: ۱۵۷)

ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے قدم قدم پر محسوس ہوتا ہے کہ اس کا نازل کرنے والا انتہائی حکیم و دانا اور بڑا ہی رحیم و کریم ہے۔ وہ انسان کی قوتوں صلاحیتوں سے بھی واقف ہے اور اس کی کمزوریوں، مجبوریوں اور ناتوانائیوں کو بھی اچھی طرح جانتا ہے۔ اس کی تعلیمات مرد اور عورت، جوان اور بوڑھے، عالم اور جاہل، حاکم اور محکوم، امیر اور غریب، مزدور اور مالک، مریض اور تندرست، مسافر اور مقیم سب کے لئے ہیں اور سب کی رعایت اس میں کی گئی ہے۔

ذمہ داری بقدر استطاعت

اسلام میں ذمہ داریوں کی بنیاد استطاعت پر ہے جس شخص کے اندر جتنی طاقت ہے اتنی ہی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اور جو چیز اس کی استطاعت سے باہر ہے وہ اس کی ذمہ داری سے بھی خارج سمجھی گئی ہے۔ قرآن بڑی صراحت کے ساتھ کہتا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ: ۲۸۶)

اللہ کسی جان پر اس کی استطاعت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔

وسعت اور گنجائش اور طاقت اور امکان میں فرق ہے۔ ایک شخص ہو سکتا ہے کہ سو پچاس کلو کا بوجھ اپنی پیٹھ پر لاد کر پانچ سات کلو میٹر چلا جائے۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب کہ وہ اپنی پوری توانائی صرف کر دے بہت ممکن ہے اس سے اس کی کمر ٹوٹ جائے اور وہ مزید بوجھ اٹھانے کے قابل ہی نہ رہ جائے۔ اسے وسعت نہیں کہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانا۔ وسعت یہ ہے کہ آدمی کسی کام کو بہ سہولت کر سکے اور اسے انجام دینے میں اسے غیر معمولی زحمت اور مشقت نہ اٹھانی پڑے۔ ایک جگہ اسی کو عدم حرج سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فرمایا۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ (الحج : ۷۸)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔

'حرج' ایسی گنجان جھاڑی کو کہا جاتا ہے جس میں گھسا نہ جا سکے۔ اسی سے حرج کے معنی انتہائی تنگی کے آتے ہیں۔ مطلب یہ کہ شریعت میں ایسی تنگی یا دشواری نہیں ہے کہ اس پر عمل نہ ہو سکے۔ چنانچہ جب کسی کے لئے کوئی عمل سخت دشوار ہو جاتا ہے تو حرج کا رفع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

بعثت بالحنيفة السمحة [1]

مجھے دین حنیف دے کر بھیجا گیا ہے جس میں کہ سہولت اور آسانی ہے۔

قرآن میں تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ فرمایا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (التغابن : ۱۶)

اللہ سے ڈرو جتنی کہ تمہارے اندر استطاعت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْئٍ فأتوا منه ما استطعتم وإذا نهيتكم عن شيئ فدعوه [2]

جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کی حد تک اس پر عمل کرو اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس سے باز رہو۔

پوری شریعت کی بنیاد اسی استطاعت اور عدم حرج پر رکھی گئی ہے۔ یہی اصول کمزور کے سلسلہ میں بھی اس نے برتا ہے۔ اس نے بیماری، جسمانی معذوری، ضعیفی، پیری، سفر کی زحمتوں اور مالی مشکلات وغیرہ کی اپنے تمام احکام میں پوری پوری رعایت کی ہے اور

---

[1] مسند احمد ۵/۲۶۶ [2] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر

© rasailojaraid.com

جس کام کو جس حد تک انسان انجام دے سکے اتنی ہی اس پر اس کی ذمہ داری بھی ڈالی ہے اور جہاں جو حکم اس کی طاقت سے باہر ہو اس سے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

شریعت کے اس اصول کو علامہ ابن حزمؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وكل فرض كلفه الله تعالى الانسان فان قدر عليه لزمه وان عجز عن جميعه سقط عنه وان قوي على بعضه وعجز عن بعضه سقط عنه ما عجز عنه ولزمه ما قدر عليه منه سواء اقله او اكثره [1]

ہر وہ فرض جس کا اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکلف بنایا ہے اگر اس کے ادا کرنے کی اس میں طاقت ہے تو وہ پورا کا پورا اس پر لازم ہوگا۔ اور اگر وہ اس سے بالکلیہ عاجز ہے تو وہ فرض بھی بالکل ہی اس سے ساقط ہو جائیگا لیکن اگر اس کا کچھ حصہ ادا کر سکتا ہے تو جتنا حصہ نہیں ادا ہو سکتا ہے وہ ساقط ہو جائے گا اور جو حصہ ادا کر سکتا ہے اس کا ادا کرنا اس پر لازم ہو جائے گا۔ چاہے وہ تھوڑا سا حصہ ہو یا بڑا حصہ۔

شریعت کا یہ اصول نماز روزہ جیسی عبادات سے لے کر معاشی، سماجی اور سیاسی احکام تک میں کارفرما ہے۔ اسلام میں عقائد کے بعد عبادات کا مقام ہے۔ ان میں بھی نماز کی اہمیت دوسری عبادات سے زیادہ ہے۔ نماز کے لیے طہارت اور پاک صاف ہونا شرط ہے۔ اسی کے لئے وضو اور غسل رکھے گئے ہیں۔ لیکن اگر آدمی وضو یا غسل نہ کر سکے اور پانی دستیاب نہ ہو تو حکم ہے کہ تیمم کر لے۔ نماز میں آدمی تھوڑی دیر خدا کے دربار میں کھڑا ہوتا ہے، رکوع اور سجدہ کرتا ہے باادب بیٹھ کر تسبیح وتحمید کرتا ہے۔ یہ دوسرے مذاہب کی عبادتوں اور ریاضتوں سے بہت ہلکی چیز ہے۔ اس پر بھی جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو اسے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔ اگر بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر اور زیادہ مجبوری میں صرف اشاروں سے یہ فرض ادا کر سکتا ہے۔ نماز پانچ متعین اوقات میں فرض ہے۔ آدمی ان اوقات میں سو جائے یا بھول جائے تو جب بیدار ہو اور یاد آئے

[1] المحلی: ۱/۶۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ فرض ادا کرلے۔ ہاں قصداً کوتاہی جائز نہیں ہے۔ فرض نمازیں مسجد میں امام کی اقتدا میں ادا کی جاتی ہیں۔ امام کو ہدایت ہے کہ وہ کمزوروں کی رعایت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ اَمَّ قَوْمًا فلیخفف فان فیھم الکبیر وان فیھم المریض وان فیھم الضعیف وان فیھم ذا الحاجة[1]

جو شخص کسی جماعت کی امامت کرے تو ہلکی اور مختصر نماز پڑھائے۔ اس لئے کہ جماعت میں بوڑھے، مریض، حاجت مند ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

روزے اور برت کی تعلیم ہر مذہب میں موجود ہے۔ مسلسل کئی کئی روز کے برت کا بھی رواج ہے۔ لیکن اسلام نے کہا کہ روزہ صرف طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہوگا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ صرف ایک مہینہ کا ہوگا زندگی بھر کا نہیں اس کے باوجود جو شخص بیمار ہے یا سفر میں ہے یا جو عورت حمل اور رضاعت کی تکلیف برداشت کر رہی ہے ان سب کو اجازت ہے کہ وہ دوسرے دنوں میں اس کی قضا کریں۔ جو شخص ضعیف اور پیری کی وجہ سے بعد میں بھی روزہ نہ رکھ سکے تو کسی مسکین کو کھانا کھلا دے۔ یہ اس کا کفارہ ہے۔ روزہ کے سلسلہ کی رعایتوں کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرہ: ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔

زکوٰۃ اسلامی عبادات کا ایک اہم رکن ہے۔ یہ معاشرہ کی مالی اعانت کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ لیکن زکوٰۃ ان ہی لوگوں پر فرض ہے جو ایک خاص مقدار میں دولت کے مالک ہوں۔ جن کے پاس اتنی دولت نہیں ہے ان کو اسلام نے زکوٰۃ سے مستثنیٰ

---

[1] مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب امر الائمۃ بتخفیف الصلوٰۃ فی تمام۔ اس مفہوم کی روایتیں صحاح کی اور کتابوں میں بھی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرار دیا ہے۔ یہ اس طرح کا مذہبی ٹیکس نہیں ہے جو ہر شخص کو چار و ناچار ادا کرنا پڑے۔

حج بھی اسلام کی ایک اہم عبادت ہے جس میں آدمی اسلام کے مرکز (مکہ) پہونچ کر روحانی فیض حاصل کرتا ہے۔ اس کے لئے بھی استطاعت شرط ہے۔ اگر استطاعت نہیں ہے تو حج فرض نہیں ہوگا۔ استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جسمانی طور پر بھی اور مالی لحاظ سے بھی اس لمبے سفر اور وہاں کی تگ و دو کے قابل ہو۔ قرآن میں ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا	اللہ کے لئے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو کہ وہاں تک پہونچنے کی طاقت رکھتا ہو۔

خاندانی نظام میں مرد پر مالی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ ان ذمہ داریوں کے سلسلہ میں اسلام کا اصول اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اٰتٰىهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا (الطلاق: ۷)	خوش حال اپنی خوش حالی کے مطابق خرچ کرے اور جس کو رزق کم دیا گیا ہو وہ اسی مال سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے اللہ نے جس کو جتنا کچھ دیا ہے اس سے زیادہ کا اسے مکلف نہیں کرتا۔ بعید نہیں کہ اللہ تنگ دستی کے بعد فراخ دستی بھی عطا فرما دے۔

اسلام میں جہاد کا تصور یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے وقت ضرورت جان بھی قربان کرے اور مال بھی۔ لیکن جو شخص جسمانی طور پر معذور ہے اس سے جان لڑانے کا اور جس کے پاس مال نہیں ہے اس سے مال خرچ کرنے کا مطالبہ نہیں ہے۔ ہاں جو شخص استطاعت کے باوجود پیچھے رہے وہ گنہگار ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل آیتوں سے اسلام کا مزاج سمجھا جا سکتا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ	نہ تو ضعیفوں پر، نہ مریضوں پر اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے جن کے پاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَاۤءُ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔

(التوبہ: ۹۱-۹۳)

خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کا رویہ اختیار کریں۔ (واقعہ یہ ہے کہ) اس طرح کے نیکوکاروں پر کوئی الزام نہیں ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے اور نہ ان لوگوں پر کوئی الزام ہے کہ جب وہ تمہارے پاس اس لئے آئے کہ تم انہیں سواریاں فراہم کر دو تو تم نے ان سے کہہ دیا کہ میں تمہارے لئے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ اس غم میں کہ ان کے پاس اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے، اس طرح واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو بہہ رہے تھے۔ الزام تو ان لوگوں پر ہے جو دولت مند ہونے کے باوجود تم سے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔ وہ خوش ہیں کہ پیچھے رہ جانے والوں میں وہ بھی رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور وہ نہیں جانتے۔

صبر کی تلقین

کمزوری جسمانی، مالی، علمی، سیاسی جس نوعیت کی بھی ہو اسلام صبر کی تلقین کرتا ہے۔ دینی اصطلاحات آج اپنی ساری معنویت کھو چکی ہیں۔ لوگوں نے مجبوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نام صبر رکھ چھوڑا ہے۔ اس لئے صبر کا لفظ سنتے ہی بے عملی، پست ہمتی اور حالات کے سامنے سپر انداز ہو جانے اور بے دست و پا بن کر بیٹھ رہنے کا تصور ابھرتا ہے۔ حالانکہ صبر، استقامت اور بلند حوصلگی کا نام ہے۔ صبر یہ ہے کہ آدمی حالات کا جم کر مقابلہ کرے اور شکست کھا بھی جائے تو ہمت نہ ہارے اور تازہ دم ہو کر اپنے مقصد کی طرف آگے بڑھے۔ صبر فتح و کامرانی کی کلید ہے۔ صبر آدمی کو نئی زندگی اور نئی توانائی عطا کرتا ہے۔ صبر کسی ایک میدان میں نہیں، زندگی کے ہر شعبے میں مطلوب ہے۔ صبر یہ ہے کہ آدمی زندگی کی اعلیٰ قدروں کو اختیار کرے اور ان کے لئے مسلسل قربانی دے۔ صبر یہ بھی ہے کہ نفس کی خواہشات، خاندان کی غلط روایات، معاشرہ کی بری عادات و اطوار اور اخلاقی خرابیوں کا مقابلہ کرے اور اپنی سیرت پر گندگی کے چھینٹے آنے نہ دے۔ صبر یہ بھی ہے کہ آدمی شدائد و مشکلات میں ثابت قدم رہے اور کوئی ایسا اقدام نہ کر بیٹھے جو اس کو بلندی سے نیچے اتار دے۔ صبر یہ بھی ہے کہ آدمی مصائب و آلام میں ہوش و حواس نہ کھو بیٹھے اور اللہ کے فیصلہ کو خوش دلی سے برداشت کرے۔ جب تک صبر کا وصف نہ ہو آدمی فکری، علمی، اخلاقی، معاشی، سماجی کسی بھی پہلو سے اوپر نہیں اٹھ سکتا۔ عظمت درحقیقت اس دنیا میں صابروں کے حصہ میں آتی ہے۔

قرآن مجید میں ہر آزمائش اور امتحان کے موقع پر صبر کی تعلیم دی گئی ہے اور اسے دنیا کی کامیابی کے ساتھ آخرت کی کامیابی کا بھی ذریعہ بتایا گیا ہے۔ اس سلسلہ کی تمام تصریحات یہاں پیش نہیں کی جا سکتیں۔ صرف تین آیتیں نقل کی جا رہی ہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ

ہم ضرور تم کو آزمائیں گے خوف سے، بھوک سے، مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان سے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دو جن کا حال یہ ہے کہ جب کوئی تکلیف انہیں پہنچتی ہے تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں ان پر ان کے رب کی عنایات ہیں اور رحمت ہے اور یہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ (۱۵۵-۱۵۷) ہدایت یافتہ ہیں۔

جن لوگوں کا آخرت ہی پر ایمان نہیں ہے وہ وہاں کی کامیابی اور اجر و ثواب پر بھلا کیا یقین کر سکتے ہیں؟ وہ اسے محض ایک ایسی جھوٹی تسلی سمجھیں گے جو سادہ لوح عوام کو بہلانے کے لئے دی گئی ہے۔ وہ سمجھیں گے کیا فی الواقع یہی سمجھتے ہیں۔ آخرت کے امکان سے یہاں بحث نہیں ہے صرف ایک پہلو کی طرف اشارہ کرنا ہے وہ یہ کہ آخرت کے اجر و ثواب کا تصور انسان کو محرومی کے احساس سے بچاتا ہے۔ جس شخص کو آخرت پر یقین ہو وہ کبھی دل شکستہ، مایوس اور نا امید نہیں ہوتا۔ وہ بڑے سے بڑے نقصان کو بھی بہتر اجر و ثواب کی توقع پر خوشی برداشت کر سکتا ہے۔ ورنہ اس دنیا میں جہاں انسان کو ہمت شکن حالات اور دل و دماغ کو ہلا دینے والے صدمات کا سامنا کرنا پڑتا رہتا ہے۔ وہ ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔ ایک شخص جو اپنی بینائی کھو چکا ہو اس کے لئے اس دنیا کی ساری رونقیں بے معنی ہیں۔ لیکن اگر وہ اس یقین کے ساتھ جئے کہ آج وہ جس نعمت سے محروم ہے کل نہ صرف یہ کہ وہ اسے عطا کی جائے گی بلکہ بہترین اجر و ثواب سے بھی اسے نوازا جائے گا تو اس محرومی میں بھی وہ سکون اور اطمینان محسوس کرے گا اور ہمت کے ساتھ کارزارِ حیات میں اپنا حق ادا کرے گا۔ ایک شخص جس کا جواں سال اور اکلوتا بچہ کسی حادثہ کی نذر ہو گیا ہو اس کے لئے اس بھری دنیا میں کوئی کشش نہیں ہے ہاں اگر وہ یہ سوچ کر زندگی گزارے کہ اس صدمہ کا صلہ اسے جنت کی شکل میں ملنے والا ہے اور وہاں اس کا بچہ اسے مل بھی جائے گا تو اس نقصان میں بھی اسے نفع کا احساس ہو گا۔ آخرت کا یقین ہی تصور انسان کے اندر پیدا کرتا ہے۔

جد و جہد کی تعلیم

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو شخص اپنی محنت مشقت اور ذاتی جد و جہد سے غربت، جہالت، مرض اور دوسری کمزوریاں دور کر سکتا ہے اسے ہاتھ پیر توڑ کر نہیں بیٹھ جانا چاہئے جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے قوت عمل اور صلاحیت سے نوازا ہے اس کا اپاہج بن کر زندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گزارنا بہت بڑا جرم ہے۔ وہ اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہے کہ آدمی محض اپنی سستی کاہلی اور بے عملی کی وجہ سے معاشرہ پر بوجھ بن جائے اور دوسرے اسے خوشی یا ناخوشی سے برداشت کرتے رہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ آدمی کسی کا دست نگر بنے رہنے یا کاسۂ گدائی لے کر گھومنے کی جگہ محنت مشقت کے ذریعہ آگے بڑھے اور اللہ نے اسے جو صلاحیت دی ہے اس کا بھرپور استعمال کرے۔ خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسرے کو بھی فائدہ پہونچائے۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں جو ہدایات ملتی ہیں انہیں یہاں پوری تفصیل سے نہیں پیش کیا جا سکتا البتہ دو چار حدیثیں بیان کی جا رہی ہیں۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رہی مدد کی درخواست کی۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تیرے گھر کوئی چیز ہے؟ اس نے عرض کیا۔ ایک کمبل ہے۔ جس کا آدھا ہم بچھاتے ہیں اور آدھا اوڑھتے ہیں اور پانی پینے کا ایک پیالہ ہے۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں لاؤ۔ جب وہ دونوں چیزیں لایا تو آپ نے انہیں نیلام کرایا۔ ایک شخص نے دو درہم میں انہیں خرید لیا۔ یہ دونوں درہم آپ نے اسے دئے اور فرمایا ایک درہم کا کھانا بیوی بچوں کو دے آؤ اور ایک درہم میں کلہاڑی خرید لاؤ جب وہ کلہاڑی لایا تو دست مبارک سے اس میں دستہ لگایا۔ فرمایا جنگل سے لکڑی کاٹ کر بیچو۔ پندرہ دن سے پہلے میرے پاس نہ آنا۔ اس شخص نے آپ کی ہدایت پر عمل کیا۔ دس درہم کمائے۔ اس سے کپڑا اور غلہ خریدا۔ آپ نے فرمایا بتاؤ یہ بہتر ہے یا یہ کہ تم قیامت کے دن اس طرح اٹھو کہ تمہارے چہرہ پر بھیک کے داغ ہوں [1]

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقات تقسیم فرما رہے تھے کہ دو آدمیوں نے حاضر ہو کر صدقہ کی درخواست کی۔ یہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ آپ نے نگاہ اٹھا کر ہم لوگوں کو دیکھا اور پھر نگاہ نیچی کر لی۔ آپ نے جب دیکھا کہ ہم لوگ

---

[1] ابو داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب ما تجوز فیہ المسئلۃ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحت مند اور تندرست ہیں۔ تو فرمایا کہ تم چاہو تو صدقہ تمہیں بھی دے دوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں نہ تو کسی صاحب حیثیت اور پیسہ والے آدمی کا حصہ ہے اور نہ کسی ایسے شخص کا جو تندرست اور کمانے کے قابل ہو۔[1]

ایک اور مثال لیجئے۔

دین اور دنیا کی کامیابی کا انحصار علم پر ہے۔ علم جس طرح کی ریاضت اور محنت چاہتا ہے اس کا صحیح اندازہ مجھ سے بہتر طریقہ سے وہ اصحاب کر سکتے ہیں جن کی زندگیاں اس مقصد کے پیچھے شمع کی طرح گھلتی رہی ہیں۔ اسلام نے علم کے لئے کی جانے والی کوشش کی اس قدر ہمت افزائی کی ہے کہ اسے جہاد سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل الله[2]	جو شخص علم کی طلب میں نکلے تو واپس آنے تک وہ اللہ کے راستہ میں ہے

اس سے زیادہ اس راہ میں ہونے والی کوشش کی ہمت افزائی اور کیا ہوگی کہ آپ نے فرمایا جو شخص علم کی تلاش میں نکلے اور اسے حاصل کرے تو اسے دو ثواب ہیں اور حاصل نہ کر سکے تو ایک ثواب ہے۔[3]

مطلب یہ کہ اس راہ کی کامیابی دوہری خوشی کا باعث ہے اور ناکامی بھی کامیابی سے کم نہیں ہے۔ اس کا اجر و ثواب بھی خدا کے ہاں محفوظ ہے۔ اس طرح اسلام ایک طرف کم زور کی رعایت کرتا اور اسے ممکنہ سہولتیں اور آسانیاں فراہم کرتا ہے تو دوسری طرف اسے ذہنی اور نفسیاتی طور پر اس قابل بناتا ہے کہ وہ معاشرہ میں بے کسی و بے بسی کی تصویر نہ بنا رہے بلکہ جاندار اور موثر کردار ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جو قوتیں اور صلاحیتیں دی ہیں ان سے خود بھی بھرپور فائدہ اٹھائے اور معاشرہ کو بھی پورا پورا فائدہ پہنچائے۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب من یعطی من الصدقۃ الخ۔ نسائی کتاب الزکوٰۃ، باب مسألۃ القوی

[2] کتاب العلم، بحوالہ ترمذی و دارمی [3] مشکوٰۃ، کتاب العلم،

© rasailojaraid.com